

ایمانیات

(۶)

(گزشتہ سے پیوستہ)

اللہ پر ایمان

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ، هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهِيمُنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ، سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ، هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ، لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى، يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ. (الحشر: ۲۲-۲۴)

”وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی الہ نہیں، غائب و حاضر سے باخبر، وہ سراسر رحمت ہے، اس کی شفقت ابدی ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی الہ نہیں، بادشاہ، وہ منزہ ہستی، سراسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان، غالب، بڑے زور والا، بڑائی کا مالک، پاک ہے اللہ اُن سے جو یہ شریک بتاتے ہیں۔ وہی اللہ ہے، نقشہ بنانے والا، وجود میں لانے والا، صورت دینے والا، سب اچھے نام اسی کے ہیں۔ اسی کی تسبیح کرتی ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، اور وہ زبردست ہے، بڑی حکمت والا ہے۔“

اللہ اس ہستی کا نام ہے جو زمین و آسمان اور تمام مخلوقات کی خالق ہے۔ اس میں الف لام تعریف کے لیے ہے اور یہ نام ابتدا ہی سے پروردگار عالم کے لیے خاص رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب جاہلیت میں بھی یہ اسی

مفہوم کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ دین ابراہیمی کے جو باقیات عربوں کو وراثت میں ملے تھے، یہ لفظ بھی انھی میں سے ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ، وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ، لَيَقُولُنَّ
اللَّهُ، فَأَنْتَى يُؤْفِكُونَ؟ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ، وَيَقْدِرُ لَهُ، إِنَّ اللَّهَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ. وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ
مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ
بَعْدِ مَوْتِهَا، لَيَقُولُنَّ اللَّهُ، قُلِ: الْحَمْدُ
لِلَّهِ، بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ.

(العنکبوت ۲۹: ۶۱-۶۳)

”اور اگر تم ان سے پوچھو کہ زمین و آسمان کو کس نے
پیدا کیا ہے اور سورج اور چاند کو کس نے تسخیر کر رکھا
ہے، تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر وہ کہاں
اوندھے ہو جاتے ہیں! اللہ ہی اپنے بندوں میں سے
جس کی روزی چاہتا ہے، کشادہ کرتا ہے اور جس کی
چاہتا ہے، تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک، اللہ ہر چیز سے
واقف ہے۔ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان سے کس
نے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے سے زمین کے
مردہ ہو چکنے کے بعد اسے زندہ کر دیا تو وہ ضرور کہیں
گے کہ اللہ نے۔ (ان سے) کہو، شکر اللہ ہی کے لیے
ہے، لیکن ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔“

یہ ہستی کیا ہے؟ اس کی صفات کیا ہیں؟ وہ سنن کیا ہیں جو اس نے اپنی ذات کے لیے مقرر کر رکھے ہیں؟ اللہ تعالیٰ
کی معرفت کے بارے میں یہی سوالات ہیں جو انسان کے ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ ایمان کے لیے یہ معرفت
ضروری ہے۔ قرآن نے جب اللہ تعالیٰ پر ایمان کا مطالبہ کیا ہے تو ان سوالوں کا جواب بھی دیا ہے۔ یہ جواب کیا ہے؟
ہم یہاں اس کی وضاحت کریں گے۔

ذات

اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں قرآن نے پوری صراحت کے ساتھ واضح کر دیا ہے کہ وہ کسی طرح انسان کے
حیطہ ادراک میں نہیں آسکتی۔ اس لیے کہ ادراک کے ذرائع جس ہستی نے پیدا کیے ہیں، وہ تو یقیناً انھیں پاسکتی اور ان
کا احاطہ بھی کر سکتی ہے، لیکن یہ ذرائع کسی طرح اس کا احاطہ نہیں کر سکتے جو خود ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ پھر یہ بات
بھی واضح دینی چاہیے کہ ہمارا ادراک محض انفعال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو حواس انسان کو عطا فرمائے ہیں، ان میں سب
سے اہم بصارت ہے۔ اس کے لیے اسے آنکھیں دی گئی ہیں، مگر ان کا حال بھی یہ ہے کہ کسی شے سے روشنی منعکس نہ

ہو تو وہ اسے دیکھنے سے قاصر رہ جاتی ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْبُصَارُ، وَهُوَ يُدْرِكُ الْبُصَارَ،
وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ. (الانعام ۶: ۱۰۳)
”اُسے نگاہیں نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا
ہے۔ وہ بڑا باریک بین اور بڑا ہی باخبر ہے۔“

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے یارائے نظر کی درخواست کا واقعہ قرآن نے اسی لیے سنایا ہے کہ انسان اپنے
حدود سے واقف رہے اور ہمیشہ یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جس پیغمبر کو ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا، جب اس کے
لیے یہ ممکن نہیں ہوا تو اوروں کی کیا حیثیت ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا، وَكَلَّمَهُ
رَبُّهُ، قَالَ: رَبِّ ارْنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ، قَالَ:
لَنْ تَرٰنِيْ، وَلٰكِنْ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ، فَاِنْ
اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ، فَسَوْفَ تَرٰنِيْ، فَلَمَّا
تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِالْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا، وَخَرَّ
مُوسَىٰ صَعِقًا، فَلَمَّا اَفَاقَ، قَالَ:
سُبْحٰنَكَ، ثُبْتُ اِلَيْكَ، وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ.
”اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر
حاضر ہوا اور اس کے پروردگار نے اس سے کلام کیا تو
(اس سے حوصلہ پا کر) اس نے عرض کی: پروردگار،
مجھے یارائے نظر دے کہ میں تجھے دیکھ لوں۔ فرمایا: تم
مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ ہاں، ذرا سامنے کے پہاڑ کو
دیکھو، اگر وہ اپنی جگہ قائم رہ جائے تو البتہ تم مجھے دیکھ
سکو گے۔ چنانچہ جب اس کے پروردگار نے پہاڑ پر
تجلی کی تو اُسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر
(الاعراف ۷: ۱۴۳)

گر پڑے۔ پھر جب ہوش آیا تو بولے: پاک ہے
تیری ذات، میں تیری طرف لوٹتا ہوں اور میں پہلا

ایمان لانے والا ہوں۔“

استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے:

”... یہ مشاہدہ حضرت موسیٰ کی اطمینان دہانی کے لیے کرایا گیا کہ خدا کی تجلی ذات کی تاب تو کوہ و جبل بھی نہیں
لا سکتے جو جامد اور ٹھوس ہونے کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر ہیں تو تم انسان ضعیف البیان ہو کر کس طرح لا سکو
گے۔ انسان کی قوت برداشت محدود ہے۔ اس کی نگاہیں روشنی کو دیکھتی ہیں، لیکن یہ روشنی ایک حد خاص سے متجاوز
ہو جائے تو آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جاتی ہیں، بلکہ بعض اوقات بینائی ہی سلب ہو جاتی ہے۔ اس کے کان آواز کو سنتے
ہیں، لیکن ان کے سننے کی تاب بھی بس ایک مقررہ حد ہی تک ہے۔ بجلی کا کڑکا ہی ذرا حد سے متجاوز ہو جائے تو
سرے سے کان کے پردے ہی بے کار ہو جائیں۔ آفتاب اس کی زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، مگر اس کی
روشنی اور حرارت اسی وقت تک اس کے لیے حیات بخش ہے، جب تک وہ نہایت ہی طویل فاصلے سے، نہ جانے

کتنے فضائی پردوں کی اوٹ سے اور کتنی چھلنیوں سے گزار کر اپنی روشنی اور حرارت اس کو پہنچا رہا ہے۔ اگر کسی دن ذرا کرہ ارض سے قریب آکر اس پر ایک نظر ڈال دے تو سارے جان دار جل بھن کر خاک اور راکھ ہو جائیں۔ تو جب اس کائنات کی مخلوق کے مقابل میں انسان کی قوت برداشت اتنی ناتواں ہے تو وہ خدا کی ذات بحت کی تاب کس طرح لاسکتی ہے جو نور مطلق اور تمام چون و چگوں سے ماوراء اور بالاتر ہے۔“ (تذکرہ قرآن ۳/۳۶۰)

اس میں شبہ نہیں کہ قیامت میں اہل ایمان اپنے پروردگار کو دیکھیں گے۔ قرآن کی آیت کَلَّا، إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَّحُجُّوْنَ^{۳۵} سے یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن دیکھنے کے مختلف درجات ہیں، لہذا یہ دیکھنا بھی نگاہوں کا خدا کو پالینا نہیں ہے، اس کی نوعیت غالباً یہی ہوگی کہ حجابات اٹھا دیے جائیں اور لوگ اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھیں، جس طرح وہ سورج اور چاند اور نجوم و کواکب کو دیکھتے ہیں جس کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی کہ وہ ایک روشنی دیکھتے ہیں جو ان اجرام فلکی سے منعکس ہو کر ان تک پہنچتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے استفسار پر انھیں سمجھانے کے لیے یہی مثال دی^{۳۶} اور فرمایا ہے کہ تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے کہ ایک رداے کبریائی کے سوا کوئی چیز بھی درمیان میں حائل نہ رہے گی۔^{۳۷}

اس کے بعد تشبیہ و تمثیل ہی کا طریقہ باقی رہ جاتا ہے۔ جنت اور دوزخ کے بیان میں قرآن نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ روایں اور عالم بیداری کے روحانی مشاہدات میں بھی نفس انسانی یہی طریقہ اختیار کرتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس کا بھی کوئی امکان نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اس طریقے سے صرف انہی چیزوں کا کوئی تصور قائم کر سکتا ہے جن کے مماثل کوئی چیز کسی نہ کسی درجے میں اس کے اندر یا باہر موجود ہوتی ہے۔ ذات باری سے متعلق انسان کے پاس اس طرح کی کوئی چیز بھی نہیں ہے، لہذا اس کا دروازہ بھی ہمیشہ کے لیے بند ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

فَلَا تَصْرِبُوهَا لِلَّهِ الْأَمْثَالُ، إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ
وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ. (النحل ۱۶: ۷۷)

”پس اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو، اس لیے کہ
(اپنے آپ کو) اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔“

[باقی]

۳۵ المطففين ۸۳: ۱۵۔ ”ہرگز نہیں، اُس دن تو یقیناً یہ اپنے پروردگار سے روک دیے جائیں گے۔“ قرآن نے یہ منکرین سے متعلق فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان والے اس سے محروم نہ ہوں گے۔ ان کے لیے تمام پردے اور حجابات وہاں اٹھا دیے جائیں گے۔

۳۶ بخاری، رقم ۷۴۳۷۔ مسلم، رقم ۱۸۲۔

۳۷ بخاری، رقم ۷۸۷۸۔ مسلم، رقم ۱۸۰۔